

سورہ صافات کی قسمیں

از جناب مولوی داؤد اکبر صاحب

وَالصَّفَاتِ صَفًّا ۚ فَالْجُرْتِ زَجْرًا ۚ فَالتَّلِيَّتِ ذِكْرًا ۚ إِنَّ الْهَكْمَ
لَوَاحِدٌ ۚ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۚ

قرآن مجید کے ایک طالب علم نے سورہ صافات کی قسموں کی غرض اور مقسم بہ اور مقسم علیہ میں ربط دریافت کیا۔ اس باب میں قبل اس کے کہ ہم اپنی کوئی تحقیق پیش کریں مناسب ہوگا کہ مفسرین کرام کی نگاہ کشف و تحقیق نے ہماری رہنمائی کے لئے جو نقوش چھوڑے ہیں ان کی طرف مراجعت کرنی جائے تاکہ اصل مقصود تک پہنچنے میں کمی نہ ہو۔ پیش نظر سورہ کی قسموں کی بابت یوں تو تمام مفسرین نے کچھ نہ کچھ بحث کی ہے مگر اس بارے میں حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ نے جس تمام و کمال سے تحقیق و تدقیق کی ہے یہ کچھ انہیں کا حق ہے۔ فرماتے ہیں اس میں دو اجزاء ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ ان صفات کا موصوف ایک ہی ہو۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ ان صفات کا موصوف مختلف ہو۔ پہلی صورت لینے میں اس کی مختلف توجیہیں ہوں گی :-

۱۔ ان صفات کے موصوف ملائکہ قرار دیے جائیں۔ اس لحاظ سے تاویل یوں ہوگی۔

الف۔ وَالصَّفَاتِ صَفًّا یعنی قسم ہے ان ملائکہ کی جو صف بستہ ہیں۔ ملائکہ یا تو عبادت الہی کے لئے بصف آسمانوں میں مستعد رہتے ہیں جیسا کہ انہیں کی زبانی ارشاد ہے وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُونَ۔ یا اس سے مقصود ہے کہ وہ اپنے روحانی بازوؤں کو فضا میں پھیلائے ہوئے امر خداوندی کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ اور اس کا بھی احتمال کہ فرشتوں کے صف بصف ہونے کا یہ مفہوم ہو کہ ملائکہ میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ درجہ معین ہے۔

ب۔ قَالَ تَجِزَاتٍ زُجُوجًا۔ اس کی بھی مختلف توجیہیں ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے وہ ملائکہ مراد ہیں جو بادلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے پھرتے ہیں۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ اس سے وہ ملائکہ مراد ہوں جو اہل نام کی صورت سے قلوب انسانی میں تاثیر پیدا کرتے ہیں۔ یا یہ کہ اس سے وہ ملائکہ مراد ہوں جو انسانوں سے ارواحِ خبیثہ کو دور کیا کرتے ہیں۔ ان اقوال کو بیان کرنا بعد حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ اس دوسری صفت کے متعلق اپنے مخصوص انداز میں فرماتے ہیں:-

”فلاسفہ کے نزدیک طے شدہ ہے کہ موجودات کی تین قسمیں ہیں ایک سراپا تاثیر ہے اور وہ خداوند تعالیٰ کی ذاتِ بابرکت ہے۔ دوسرا عالم اجسام ہے اور یہ سراپا تاثیر و انفعال ہے۔ تیسرا عالم ارواح (ملائکہ) ہے اور یہ وہ جماعتِ قدسی ہے جس میں کارساز فطرت کی طرف سے تاثیر و تاثیر دونوں طرح کی قوتیں ودیعت کی گئی ہیں۔ یہ ایک طرف تو انوار الہی سے فیضیاب ہوتی ہے اور دوسری طرف قلوب انسانی پر بھی اثر ڈالتی ہے“

ج۔ قَالَ تَلْبِیْتٍ ذِکْرًا۔ اس میں اشارہ ہے کہ یہی وہ صفت ہے جس سے ملائکہ اپنی روحانیت میں ترقی دیکر عالم اجسام پر اثر ڈالتے ہیں۔ اس کے بعد امام صاحب فرماتے ہیں:-

مقدمہ بالا کی روشنی میں غور کرو تو تم پر یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ پہلی صفت (وَالصَّفَاتِ) میں اشارہ ہے کہ ملائکہ صفتِ بصف خداوند تعالیٰ کی بارگاہِ عالی میں سر نیاز خم کے رہتے ہیں۔ اور یہی وہ طریقہ ہے جس سے ملائکہ انوار الہی اور تجلیات ربانی کے ہبیط ہوتے ہیں۔ دوسری صفت (قَالَ تَجِزَاتٍ) میں اشارہ ہے کہ جو اہرملکیہ (ملائکہ) مستلوب انسانی پر اثر انداز ہوتے ہیں اور انسانی قوی اور اکیہ کے حرکت میں لانے کے ایسے اسباب فراہم کرتے ہیں جو ان کی روحانی زندگی کے لئے ضروری ہیں۔ یہ نظام قدرت کی جانب سے اس لئے ہے کہ ارواح بشری اپنی تکمیل میں ارواحِ ملکیہ کی محتاج ہے اور یہ تو مسلمات میں سے ہے کہ ارواح بشری کی تعین

طاقتوں کے بالفعل ہونے میں ملائکہ کا بہت زبردست ہاتھ ہے۔ یہ محض دعویٰ ہی نہیں بلکہ اس کی سند میں بے شمار دلیلیں بھی پیش کی جاسکتی ہیں چند ملاحظہ ہوں۔

(۱) یُنزِلُ الْمَائِكَةَ بِالْوَجْهِ مِنْ أَمْرِهِ
علیٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ....

وہ نازل فرماتا ہے ملائکہ کو روح کے ساتھ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر بھی وہ مناسب سمجھتا ہے۔

ایک دوسری جگہ ہے:-

(۲) نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَى قَلْبِكَ
روح امین (جبرائیل) نے تمہارے دل پر اسے نازل کیا ہے۔

اس کے بعد امام صاحب نے اس آیت سے متعلق ایک اور نہایت لطیف نکتہ بیان فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔
حقیقی کمال کسی چیز کو اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب وہ چیز خود مکمل و مکمل ہو۔ مکمل ہونے کا یہ منشا ہے کہ وہ ان تمام خوبیوں سے آراستہ ہو جو اس کے شایان شان ہوں۔ اور مکمل ہونے کا یہ منشا ہے کہ اس کا فیض دوسروں پہنچے۔ اور یہ مسلم ہے کہ دوسرے کی تکمیل سے مقدم خود بالکمال ہونا ہی اس کے بغیر صلاح و ارشاد بے معنی ہی ہنذا پہلی صفت میں اشارہ ہے کہ ملائکہ اپنی تکمیل کے لئے ہمہ آن طاعت الہی میں چست رہتے ہیں اور دوسری صفت میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ انسانی قلوب سے وہ تمام کی تمام خرابیاں دور کرنے میں کوشاں رہتے ہیں جو فطرت انسانی کے سر نہر نانی ہیں اور تیسری صفت میں اشارہ ہے کہ وہ ارواح بشری کے انوار الہی سے ستیر ہونے میں شریک ہیں۔

۲۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ اوصاف گر وہ انسانی پر محمول کی جائیں اور اس کی دو شکلیں ہیں:-

(۱) وَالصَّفَاتِ صَفَاتِ السَّانُوں کی وہ صفیں مراد لی جائیں جو نماز کی ادائیگی کے وقت صفت

قائم کی جاتی ہیں، اور فالن حیوت زجر سے نمازیوں کا اسوفا باللہ پڑھنا مراد لیا جائے، گویا اس کلمہ کو نمازی اپنے پاس سے شیاطین کو دور بھگاتے ہیں۔ اور فالن صلیب ذکرا سے ان کا نماز میں قرآن پڑھنا مراد لیا جائے۔

دوسری صفت کی ایک اور توجیہ بھی بہت مشہور ہے وہ یہ کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ نمازی نہایت بلند آہنگی کے ساتھ قرآن پڑھتے ہیں جس کی مصلحت شیاطین کو بھگانا ہے چنانچہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قرأت والی روایت

میں یہی مصلحت مذکور ہے۔

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ اس سے علماء محققین کی وہ صف بصف جماعت مراد لی جائے جو دین الہی

کی تبلیغ میں منہمک رہتی ہے اور دوسری صفت اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اوامر و نواہی میں غایت درجہ لچسپی رکھتے ہیں اور تیسری صفت میں اشارہ ہے کہ وہ دین الہی کی تبلیغ بھی کرتے ہیں اور اتباع شرعی پر بھی لوگوں کو ابھارتے ہیں۔

۳۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ ان صفات کو مجاہدین (فی سبیل اللہ) پر منطبق کیا جائے یعنی پہلی صفت

سے جنگ کی صفیں مراد لی جائیں اور قرآن پاک میں مذکور بھی ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ

فِيْ سَبِيْلِهِ صَفًا۔ دوسری صفت سے یہ مقصود ہے کہ وہ اثنائے جنگ میں گھوڑوں کو ڈانٹتا رہتا ہے۔

اور تیسری صفت سے اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ میدان جنگ کی گراگری کے وقت بھی انکی

زبانیں یاد الہی سے غافل نہیں ہوتیں۔

۴۔ چوتھی توجیہ یہ ہے کہ یہ صفات آیات قرآنی کی ہیں اور اس کی توجیہ یوں ہوگی کہ قرآن پاک کی

آیات متعدد مباحث سے متعلق ہیں۔ کچھ تو وحدانیت اور علم الہی پر مشتمل ہیں اور کچھ قدرت خداوندی اور

حکمت بانی کے بارے میں واقع ہیں اور کچھ اخلاقیات و شرائع سے متعلق ہیں۔ خلاصہ یہ کہ پہلی صفت میں آیات

قرآنی کو صفت اشخاص کے مشابہ قرار دیا گیا ہے اور دوسری صفت سے ان آیات کی جانب اشارہ

ہے جو نواہی پر مشتمل ہیں اور تیسری صفت ان آیات سے متعلق ہے جو اعمال غیر کے وجوب پر محرک ہیں۔

اب دوسری صورت کو یعنی یہ کہ ان صفات کا موصوف ایک نہیں بلکہ الگ الگ قرار دیا جائے مثلاً پہلی صفت

کے موصوف پندے ہوں جیسا کہ قرآن پاک میں بھی ہے وَالطَّيْرُ صَفَاتُ۔ اور دوسری صفت سے وہ تمام کی

تمام چیزیں مراد لی جائیں جو معاصی سے روکنے کا ذریعہ ہوں۔ اور تیسری صفت سے (بلا تخصیص) وہ تمام کی تمام

باتیں مراد لی جائیں جو کلام الہی میں سے پڑھی جاتی ہیں۔

اس دوسری صورت کے متعلق امام صاحب فرماتے ہیں:-

» خداوند تعالیٰ کی مخلوقات یا تو جسمانی ہیں۔ یا روحانی۔ مخلوقات جسمانیہ کے مختلف مدارج و طبقات ہیں جن میں سر مو تقیر نہیں ہوتا مثلاً زمین وسط عالم ہے اور کرہ مائی سے محیط ہے۔ پانی ہوا سے محیط ہے اور ہوا آگ سے محیط ہے۔ مزید براں یہ کہ عناصر اربعہ طبقات فلکی سے عالم اجسام کے آخری حصہ تک محیط ہیں۔ پس عالم اجسام گویا جلال الہی کے سامنے صفت بصف کھڑا ہے۔ رہے جو اہر روحانیہ ملکئہ (ملائکہ) تو وہ باوجود اختلاف مدارج و صفات دو صفتوں میں مشترک ہیں۔ ایک تو عالم اجسام میں تاثیر و تصریف ہے، جس پر یہ آیت (فَالرُّجُودِ ذُجُجًا) صریحاً دلالت کر رہی ہے۔ اور دوسری صفت خداوند تعالیٰ کی معرفت میں استغراق ہے، پانچہ فَالتَّالِیٰتِ ذُکُوًّا میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ عالم اجسام درجہ میں عالم ارواح سے ادنیٰ ہے اور جسمانیات میں تصرف بمقابلہ عالم ارواح کے آسان ہے اس لئے پہلے درجہ میں عالم اجسام کو رکھا گیا اور دوسرے درجہ میں ان ارواح طیبہ کو رکھا جو عالم اجسام پر تصرف کرتے ہیں اور تیسرے درجہ میں ان ارواح مقدسہ کو رکھا ہے جو ہمہ تن خدا کی تسبیح و تہلیل میں لگی رہتی ہیں «

اس کے بعد امام موصوف نے دو ایسے گروہوں کے اقوال نقل کیے ہیں جن میں سے ایک کا خیال ہے کہ نفس اشیاء مذکورہ مقسم بہ نہیں ہیں بلکہ ان اشیاء کا خالق مقسم بہ ہے۔ اور دوسرے فریق کے نزدیک نفس اشیاء مذکورہ ہی مقسم بہ ہیں۔ چونکہ امام موصوف نے ہر دو فریق کے اقوال کے نقل کر دینے ہی پر اکتفا کیا اور اپنی کوئی رائے نہیں لکھی ہے اس لئے ہم اس بحث کی تفصیل پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں سمجھتے۔ حضرت امام رازیؒ نے اس سلسلہ میں ایک اور نہایت اہم بحث کی ہے جس کا ایک طالب قرآن کے سامنے ہونا نہایت ضروری ہے اور وہ اس موقع پر قسم کھانے کی ضرورت با عدم ضرورت کا مسئلہ ہے۔ اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں دو طرح کے شبہات پیدا ہوتے ہیں:-

(۱) ایک یہ کہ قسم کا مقصود یا تو مومن سے کوئی بات منوانا ہو سکتا ہے یا کافر سے۔ پہلی صورت تو باطل ہے اس لئے کہ مومن تو بغیر قسم ہی کے تسلیم کئے ہوئے ہے۔ اور دوسری صورت بھی باطل ہے اس لئے کہ منکر آپ کی بات قسم کھانے سے نہ تسلیم کرے گا بلکہ اسے دلیل ہی سے قائل کیا جاسکتا ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ خداوند تعالیٰ نے اس سورہ کے شروع میں وحدانیت پر قسم کھائی ہے اور سورہ ذاریات کے اوائل میں وقوع قیامت کے ثبوت میں قسم کھائی ہے۔ ان مطالب عالیہ کو (ملاحظہ و دہریہ کے اوہام باطلہ کی تردید کے ساتھ) قسم کے ذریعہ سے ثابت کرنا عقلاً کے طریقہ کونائی، ان شبہات کے تین جواب ہو سکتے ہیں:-

(۱) خداوند تعالیٰ نے وحدانیت اور بعثت و قیامت کو زیادہ تر ابتدائی سورتوں میں یقینی دلائل کے ساتھ ثابت کر دیا ہے۔ پھر جب لائل قطعہ پوری طرح بیان کر دے گئے تو دلائل مابقی کی تاکید کے لئے قسم کھائی گئی۔ خصوصاً قرآن تو عربوں کی زبان میں نازل ہوا ہے اور قسم کے ذریعہ سے کلام میں زور پیدا کرنا ان کے ہاں کا عام طریقہ تھا۔

(۲) دوسرے یہ کہ جب خداوند تعالیٰ نے ان چیزوں سے وحدانیت کے ثبوت پر قسم کھائی تو اس سے متصل ہی ان براہین قاطعہ کا بھی ذکر کیا جو وحدانیت کے باب میں نہایت روشن دلائل ہیں۔ یعنی فرمایا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا أَوَّابٌ الْمُشَارِقِ۔ یہ قول اس بنا پر دلیل ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے اس قول میں لَوْ كَانَتْ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا، بیان فرمادیا ہے کہ آسمان و زمین کا نظام وحدانیت پر شاہد ہے۔ بعینہ یہاں بھی جب یہ کہا گیا کہ (إِنَّ إِلَهَكُمْ لَوَاحِدٌ) تو اس سے متصل ہی بطور دلیل کے یہ بیان کیا گیا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا أَوَّابٌ الْمُشَارِقِ، گویا یوں کہا گیا کہ آسمان و زمین کے نظام میں تفکر توحید باری پر شاہد ہے پس اے لوگو! اس دلیل میں غور کرو تا کہ تمہیں توحید کا اذعان حاصل ہو۔

(۳) یہ کلام بت پرستوں کے اعتقاد کثرت آہہ کے ابطال میں واقع ہے۔ گویا یوں کہا گیا کہ بت پرستوں کا مسلک تمنا بودا ہے کہ اس کے ابطال کے لئے تاکید کے ساتھ بس اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہے۔ حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ نے ان آیات سے متعلق جو کچھ فرمایا ہے اسے جہلاً تین سرخویں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:-

(۱) مقسم بہ کی تعیین

(۲) مقسم بہ اشیاء مذکورہ ہی ہیں یا اس کے علاوہ کوئی دیگر شے ہے؟

(۳) مقسم بہ کا مقصود اس موقع پر کیا ہے؟

امام موصوف نے مقسم بہ کے بارے میں بہت سی صورتیں بیان فرمادی ہیں، مگر مقسم بہ اور مقسم علیہ میں مناسبت ڈھونڈھنے کی کوشش نہیں فرمائی، اس لیے بجز احتمالات کے نقل کرنے کے کوئی قطعی اور محکم رائے بھی ظاہر نہ کی۔ ممکن ہے ایسا اس لئے کیا ہو کہ اس سے طلبہ قرآن میں محنت و جانفشانی سے صحیح راہ تلاش کرنے کی قوت پیدا ہو۔ رہی یہ بحث کہ مقسم بنفس اشیاء مذکورہ ہیں یا ان کے علاوہ کوئی دیگر چیز ہے تو ہم نے جہاں تک غور کیا ہے اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ قرآن مجید میں قسم کھانے کی غایت و غرض پوری طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ بحث پیدا ہو گئی ورنہ یہ منصفہ شہود پر نہ آتی۔ اسی وجہ سے یہ سوال بھی پیدا ہوا کہ اس موقع پر قسم کھانا مناسب تھا یا نہیں یا یہ کہ یہاں پر قسم کھانے میں کیا مصالح ہیں؟ امام موصوف نے پہلے تو اس موقع پر قسم کھانے میں چند در چند زحماتیں بیان فرمائی ہیں۔ اس کے بعد ان زحماتوں کے مختلف حل بتائے ہیں لیکن ایک صاحب بصیرت کے پوشیدہ نہیں کہ امام موصوف کے ان جوابات میں بہت ہی تضاد ہے۔ مثلاً پہلے جو ایک خلاصہ یہ ہے کہ قسم دلائل سے مبوق ہوا کرتی ہے، اور اس اعتبار دلائل کا ہے، اور قسم تو محض عربوں کے عام طریقہ کے مطابق محض تاکید کے لئے لائی جاتی ہے۔ غور کیجئے ترتیباً قرآن سے یہ جو آیت لکنا بعد ہے اس لئے کہ تم میں تو زیادہ تر ان سورتوں میں آئی ہیں جو پہلے نازل ہوئیں۔ اور دلائل بعد کی سورتوں

میں بیان ہوئے ہیں۔ امام موصوف کے دوسرے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ قسم کے بعد اس موقع پر ایک ایسا قول مذکور ہے جس میں حجت و برہان کا بہت ہی زبردست پہلو ہے، اور قسم محض نبیہ کے لئے ہے۔ دیکھیے! اس جواب میں اور ما قبل واسلے میں کیا سر مو بھی فرق ہے؟ اور دونوں میں سے کیا ایک میں بھی اہل مسئلے متعلق کچھ کہا گیا ہے؟ تیسرا جواب تو بہت ہی گرا ہوا ہے وہ اس لئے کہ پہلے دونوں جوابوں میں تو امام موصوف نے یہ دعویٰ کیا کہ قسم میں شہادت کا کوئی پہلو نہیں اور تیسرے جواب میں اس کا حجت ہونا خود ہی تسلیم کر لیا ہے گو کہ بلکہ درجہ کی حجت و دلیل۔

ذیل کی سطروں میں اب ہم تقسیم بہ کی تین قسم کی اس موقع پر ضرورت اور تقسیم بہ اور تقسیم علیہ میں مناسبت کی بابت اپنی رائے پیش کریں گے لیکن مناسب ہوگا کہ قبل اس کے کہ ان مباحث کی تحقیق میں ٹریں ایک نہایت ضروری مرحلے گذر لیا جائے اور وہ پیش نظر سورہ کی قسموں کے عمود کی تعیین ہے۔

سورہ کا مرکز | پیش نظر سورہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ توحید اور قیامت کے ثبوت میں وارد ہے۔ ایک طرف تو اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا میں جتنی بھی مخلوقات ہیں ان میں سے ہر ایک خدا کی بے پایاں قدرت کا مظہر ہے۔ کوئی چیز اس سے بے نیاز ہو کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ ہر ایک کی ضرورت کا مرکز وہی ہے۔ اس کے علاوہ نام کے تمام رشتے بے معنی ہیں۔ مخلوقات کی احتیاج بالخصوص حضرت انسان کی ضروریات ہیں پر ختم نہیں ہوتیں بلکہ کل کی زندگی میں جب خدا کی عدالت عالیہ قائم ہوگی تو وہ رحمت خداوندی کا اور زیادہ محتاج ہوگا۔ الغرض اگر یہ سورہ غور سے پڑھی جائے تو ہر شخص کو بادی تامل نظر آسکتا ہے کہ پوری سورہ میں یہی دونوں حقیقتیں پھیلی ہوئی ہیں۔

تقسیم علیہ کی تعیین کے بعد اب ہم تقسیم بہ کی شرح و تعیین کریں گے۔

مقسم بہ کی شرح و تعیین | وَالصَّفَاتِ صَفًا فَالْزَّجْرَاتِ زَجْرًا

۱۔ ماخوذ از امان فی اقسام القرآن مصنف صاحب نظام القرآن صفحہ ۵ - ۶

فَاِذَا التَّلِيٰتُ ذٰكُرًا، تفسیروں کے ہتھیار سے معلوم ہوتا ہے کہ مفسرین میں سے بیشتر لوگوں کا ان اوصاف کے بارے میں یہ خیال ہے کہ ان کا موصوف گروہ ملائکہ ہے۔ ہمارے نزدیک بھی یہی صورت نسب ہے اس کے علاوہ جتنی صورتیں مذکور ہیں ان میں سے کوئی بھی چسپاں نہیں ہوتی۔ وجہ ترجیح مناسبت کی بحث سے سمجھ میں آجائیں گے۔

قسم کی غرض | اوپر کی سطروں سے قسم کی تعیین ہوگئی۔ ہا یہ سوال کہ اس موقع پر قسم کیوں لائی گئی؟ اس کا وہ جواب نسب نہیں جو حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ نے اختیار کیا ہے بلکہ اس باب میں صاحب نظام القرآن نے قسم کا جو مفہوم بیان کیا ہے اگر اسے سامنے رکھا جائے تو وہ تمام کی تمام دقتیں جو امام موصوف کے جواب سے پیدا ہو جاتی ہیں یک قلم دور ہو جائیں گی یعنی یہ کہ قسم کا اصل مقصود استشہاد سے تعظیم و احترام کا پہلو نہیں واقع پر ہوگا جہاں خداوند تعالیٰ کی ذات بابرکت یا اس کے شعائر کی قسم کھائی گئی ہو۔ اور اس صورت میں بھی تعظیمی پہلو ضمنی ہوگا۔ اصل مقصد استشہاد و استدلال ہی ہوگا۔ کلام عرب کے بھی اس نظر یہ کی تائید ہوتی ہے۔ تفصیل کے لئے امعان فی اقسام القرآن کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

سطور بالا سے مقسم بہ کی تعیین اور قسم کی حقیقت اجمالاً سمجھ میں آگئی ہوگی۔ اب ہم مقسم بہ اور مقسم علیہ میں مناسبت دریافت کریں گے۔

مقسم بہ اور مقسم علیہ میں مناسبت | یہ بیان ہو چکا ہے کہ پیش نظر سورہ توحید و قیامت کے ثبوت میں واقع ہے یعنی یہ کہ اس عالم میں جتنے بھی انقلابات و تغیرات ہوتے ہیں سب کام مرکز محض ایک ذات ہے۔ وہی سب کچھ کرتی ہے۔ اس کے ایما کے بغیر کوئی تبدیلی بھی ظہور میں نہیں آسکتی۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکت ہے۔ ایسی ذات جس کی قدرت و تصرف کے بے شمار مظاہر ہیں، ضرور بالضرور اس نے اس عالم کی پیدائش کی کوئی اہم غایت رکھی ہوگی۔ اسی کو قرآن قیامت سے تعبیر کرتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ پیش نظر سورہ کے دعویٰ اور دلیل میں کوئی مناسبت ہے یا نہیں؟

قرآن مجید کے طالب علم سے یہ معنی نہیں کہ قرآن پاک میں بے شمار ایسی آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ منجملہ جنود الہی ہیں۔ ذیل کی آیتوں پر غور کیجئے :-

سورہ انفال میں ہے :-

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ
أَنِّي مُخَذَّذٌ بِالْفِئَةِ مِنَ اللَّهِ لِيُفِيَنِّي
وَمَا جَعَلَ اللَّهُ الْإِنْسَانَ إِلَّا بُشْرًا يَهْدِي
قُلُوبَكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ
إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ إِذْ يُغَشِّيكُمُ اللَّعْنَةُ
أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنزِلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً
يُطَيِّرُكُمْ بِهِ وَيَذْهَبُ عَنْكُمْ رِجْزَ
الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ
بِهِ الْأَقْدَامَ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ
أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَأُلْقِي
فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ
فَأَضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَأَضْرِبُوا
مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (رکوع اول)

ایک دوسری جگہ ہے :-

ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى
رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَّمْ

یاد کرو اس وقت کو جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کرتے
تھے پس اس نے تمہاری فریاد سن لی کہ میں لگاتار ہزار فرشتوں سے
تمہاری مدد کروں گا اور خدا نے فرشتوں کی مدد تمہیں بخش کر کے
کیلئے کی ورنہ فتح تو خدا ہی کے ہاتھ میں ہے بیشک خدا غالب
اور حکمت والا ہے یاد کرو اس وقت کو جب کہ خدا تمہاری
تسکین کے لئے نیند تم پر طاری کرتا تھا اور آسمان تم پر پانی برسا
تھا کہ اس سے تم کو پاک کرے اور شیطان کی گندگی تم سے دور کرے
اور تاکہ تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھائے اور اس کے
ذریعہ سے تمہارے قدم جمائے رکھے، یاد کرو اس وقت کو
جب کہ تمہارا پروردگار فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ ہم
تمہارے ساتھ ہیں پس تم مسلمانوں کے قدم جمائے
رکھو غمگین کافروں کے دل میں رعب ڈالیں گے پس مارو گوردونوں
پر اور مارو ان کے پور پور پر۔

پھر خدا نے اپنے رسول پر لاکھوں فرشتوں کی تسلی نازل فرمائی
اور غیر مرنی فوجیں بھیجیں اور کافروں کو سخت مار ماری

تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ذَلِكَ

اور کافروں کی یہی جزا ہے۔

جَزَاءُ الْكَافِرِينَ (توبہ - ۴)

ایک دوسرے موقع پر ہے:-

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ

اگر تم اس کی مدد نہ کرو (تو کچھ پروا نہیں)، اس لئے کہ اس نے

إِذَا خَرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَإِنَّا إِنَّا

اس وقت اپنے رسول کی مدد کی تھی جب کافروں نے

إِذْ هَمَّ فِي الْعَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَخُنْ

گھر سے باہر نکال دیا دو میں دوسرے اس وقت یہ

إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَإَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ

دونوں غار میں تھے، یاد کرو اس وقت کو جبکہ وہ اپنے

وَأَيُّهَا يَجْنُودٌ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ

رفیق سے کہہ رہا تھا غم نہ کرو بیشک خدا ہمارے ساتھ

الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَى وَكَلَّمَ اللَّهُ هِيَ الْعَالِيَا

ہے پس نہ ماننے اپنی تسلی اس پر نازل فرمائی اور غیر مرئی

وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (توبہ - ۶)

افواج سے اس کی مدد کی اور کافروں کی بات کو سٹی

کر دیا اور خدا ہی کا بول بالا ہے اور خدا غالب حکمت والا ہے۔

ایک اور مقام پر ہے:-

إِذْ تَقُولُ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَلَيْسَ

یاد کرو جبکہ تم مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لئے

أَنْ يُمْسِكَكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلاَفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ

یہ س نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے تمہاری

مَنْزِلِينَ بَلَىٰ أَنْ تَصْبِرُوا وَانْتَقُوا

مدد کرے ضرور، بلکہ اگر تم ثابت قدم رہو اور تقویٰ اختیار

يَأْتِكُمْ مِّنْ قَوْمٍ مِّنْ هُنَا أَيْدِيكُمْ رُجُومٌ

کر اور دشمن اسی دم تم پر چڑھ دوں تو تمہارا پروردگار

بِحَمْسَةِ آلاَفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ

پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔

(آل عمران - ۱۳)

سورہ ذاریات میں ہے:-

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ ۝
 قَالُوا إِنَّا رَسُولُنَا إِلَى قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ۚ لَنُرْسِلَ
 عَلَيْهِمْ حِجَابًا مِّن طِينٍ مُّسْوَمَةً عِندَ
 رَبِّكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ (رکوع ۲۷)

کہا تمہاری کیا ہم ہے لے فرستادگان .. وہ بولے ہم ایک
 گنہگار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ان پر پتھراؤ کریں جو
 مسرفین کے لئے خدا کے یہاں نامزد ہے ...

مذکورہ بالا آیات میں تصریح ہے کہ خدا کی غیر مکی فوجوں میں سے ملائکہ بھی ہیں اور اس غیر مکی فوج سے
 بارہا اس نے حق پرستوں کی تائید کی ہے، اور پرستارانِ بطل کو پسا کیا ہے۔ ایسا تقریباً ہر پیغمبر کے عہد میں ہوا ہے۔
 قرآنی تصریح کے بعد مزید دلائل کی ضرورت نہیں۔

ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ مناسبت کے سلسلہ میں جو کچھ تم نے کہا ہے اس سے اصل سوال تو حل نہ ہوا، واقعاً ایسا
 ہی ہے لیکن جب مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں غور کیا جائے گا تو ہر شخص تسلیم کرے گا کہ دنیا میں رحمت اور
 نعمت کے بے شمار مظاہر فرشتوں کے ہاتھوں ظہور میں آتے ہیں۔ فرشتے ہی تھے جو حضرت ابراہیم کے پاس پیام
 بشارت لائے تھے۔ اور یہی فرشتے قوم لوط کے لئے صاعقہ ہلاکت ثابت ہوئے۔ اور یہی فرشتے تھے جو قرن اول میں خزائن
 کے پہلو پہلو حزب الشیطان سے برسرِ پیکار نظر آتے تھے۔ الغرض ملائکہ کے ہاتھوں دنیا میں جو رحمت و نعمت ظہور میں آتی ہے
 اس میں وحدانیت اور عدالتِ کبریٰ کے ثبوت پر کافی شہادت ہے۔ وہ اس طرح کہ ملائکہ کا پرستارانِ حق کے پہلو پہ
 پہلو احقاقِ حق اور استیصالِ بطل میں جدوجہد کرنا دلیل ہے اس امر پر کہ کسی کے ماتحت ہیں اور یہ ان تمام لوگوں کے
 دشمن ہیں جو حدودِ اللہ سے سرکشی کرتے ہیں، اور ان لوگوں کے دوست ہیں جو خدا کی سر زمین پر رشد و ہدایت کی
 تبلیغ کرتے ہیں۔ نیز یہ کہ فرشتوں کا راناموین تصانیفا یا جاتا ہے یعنی منین کہ ان کی شفقت و ہمدی خواہ ہاتھ جو یازبان او کفاد
 تم ان کی تندی و سختی یہ شاہد ہے اس امر پر کہ وہ ہر پہلی نقشہ (تفریق بین الصالح و اللغو) قیامت کے دن بھی پیش آئے گا۔

لہ قرآن مجید میں بیشمار ایسی آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ متمرّدین کے حق میں بدعا اور ظہار لعنت کرتے ہیں اور مومنین
 کے لئے بارگاہِ الہی میں رحمت کی دعا کرتے ہیں اور ظن غالب یہ ہے کہ پیش نظر سورہ میں قَالِیْبِتِ ذُكُوْا سے اسی حقیقت کی طرف
 اشارہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

داؤد اکبر، صلاحی